اسلام میں کلامی فرقوں کے ظہور کے اسباب

The Reasons of Emergence of Theological Sects in Islam

ڈاکٹر جنید اکبر*

ڈاکٹر محمد اکرام اللہ**

Abstract

Cognizing factors and reasons of emergence of Islamic theological Sects are necessary to be understood first before a meaningful involvement in the Intrafaith dialogue. Pinpointing of these factors will no doubt help a Muslim Scholar to play vital role in discouraging them and in stoppage of formation of new sects on the same lines.This article has therefore discussed various reasons of the emergence of Theological Schism in Islam and has argued that a single particular reason cannnot be determined as a fundamental cause, rather several internal and external reasons have contributed in the establishment of new sects out of which internal factors have left more significant impact than external factors.The Analytical study of the historical events and circumstances in early Islam suggests the following factors are major reasons for the formation of Sects: imperfection in inference from Qur'ān & Sunnah, cult of personalities and reverence of ideologoies, creating new belieifs in dīn, following of whims & self desires, love of fame and preside, political trends,national and tribal bigotry, corrupt & irregular interpretations. Some external factors also played an imperative role in schism in early Islam. Such as Jews, Christians, and other religious communities were directly involved in dividing Muslim community by intruding their beliefs in them, which resulted in formation of new sects in Islam.

Keywords: Schism, Sects, Sectarianism, Islamic Theology

فرقِ کلامیہ کے ظہور کے اسباب:

اسلام میں کلامی فرقہ بندی کے اسباب کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: داخلی اور خارجی۔ ان میں سے کسی ایک کو بعینہ ان کلامی فرقوں کے موجود ہونے کا سبب قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ کئی اسباب نے مل کر کسی ایک فرقہ کو وجود بخشا۔ البتہ خارجی اسباب کے مقابلے میں داخلی اسباب نے نمایاں اثرات مرتب کیے۔

فرقہ بندی کے داخلی اسباب:

مندرجہ ذیل آٹھ (۸) اسباب کو فرقہ بندی کے داخلی اسباب قرار دیا جاسکتا ہے:

1. قرآنِ کریم وسنتِ نبویہ سے استدلال میں خلل
2. شخصیت پرستی اور تعظیمِ آراء
3. دین میں نئے عقائد و نظریات کا ایجاد

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ و دینیہ، جامعہ ہری پور۔

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ و دینیہ، جامعہ ہری پور۔

4. خواہشاتِ نفسانی / ھوی النفس کی اتباع
5. شہرت وریاست کی محبت
6. سیاسی رجحانات
7. قومی وقبائلی عصبیت
8. تأویلِ فاسد

قرآن کریم اور سنتِ نبویہ سے استدلال میں خلل:

فرقِ کلامیہ کے وجود کی ایک بنیادی وجہ قرآن وسنت کے فہمِ صحیح کا فقدان اور جہل ہے۔ جس کی وجہ سے فرقِ کلامیہ کے منہجِ استدلال ہی میں غلطی واقع ہوئی جو صحیح نتائج تک نہ پہنچا سکی۔

منہجِ استدلال میں یہ خلل مختلف صورتوں میں ظاہر ہوا مثلاً آیاتِ متشابہات کو آیاتِ محکمات کی روشنی میں نہیں سمجھا گیا، بلکہ مجسمہ اور جہمیہ نے متشابہات ہی کو محکمات جیسا درجہ دے کر اپنی عقل ومزاج کے موافق اللہ تعالیٰ کے لیے جسم وجسمانی صفات تک ثابت کر دیے۔[1]

قرآن وسنت سے جہل کی بنا پر منہجِ استدلال میں خلل کی ایک صورت یہ بنی کہ "آیاتِ وعید" کو "آیاتِ وعد" کے ساتھ جمع کر کے ایک مجموعی حکم نکالنے کی کوشش نہیں کی گئی، بلکہ خوارج ومعتزلہ نے محض "آیات وعید" سے استدلال کر کے مرتکبِ کبیرہ کو کافر یا اسلام سے خارج سمجھا، جب کہ دوسری طرف "آیاتِ وعید" سے صرفِ نظر کرتے ہوئے "مرجئہ" نے صرف "آیاتِ وعد" کو لے کر یہ عقیدہ قائم کیا کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں![2]

شخصیت پرستی اور تعظیمِ آراء:

کسی خاص بات، نظریے یا شخصیت کے حق یا مخالفت میں حد سے تجاوز کرنے کو "غلو" کہا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم اور سنتِ نبویہ میں "غلو فی الدین" سے سختی سے روکا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو بار بار اس سے منع کیا ہے، ارشاد ہے:

"يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ"[3] "اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو"

"غلو فی الدین" گذشتہ ملتوں کی گمراہی اور تباہی کا سبب بنا، اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کو اس سے سختی سے روکا، فرمایا:

"إیاکم والغلو في الدین فإنما أهلک من کان قبلکم الغلو في الدین"[4]

"دین میں حد سے تجاوز کرنے سے بچو، کیونکہ تم سے پہلی امتوں کو دین میں حد سے بڑھنے نے ہلاک کیا۔"

"غلو فی الدین" اسلام میں فرقہ بندی کا سبب یوں بنا کہ بعض لوگوں نے دین کے بعض احکام کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں "غلو" سے کام لیا، جیسے خوارج نے "آیات الوعید" میں غلو کرتے ہوئے مرتکبِ کبیرہ کو کافر قرار دیا۔ اور بعض لوگوں نے شخصیات کی محبت یا مخالفت میں "غلو" کرتے ہوئے فرقوں کی بنیاد رکھی، جیسے بعض شیعہ نے حبِ علیؓ میں "غلو" کیا یہاں تک کے اپنے ائمہ کو الوہیت کے درجے تک پہنچا دیا۔ اسی طرح دیگر گروہوں نے بھی اپنے سربراہ اور نظریات میں "غلو" کر کے صحابہ کرامؓ کی جماعت، اور ان کی تعلیمات سے روگردانی کر کے الگ فرقے بنا لیے۔

دین میں نئے عقائد ونظریات کا ایجاد:

"دین کی طرف ایسی بات منسوب کرنا جو دین میں نہ ہو یا کسی ایسے حکم کی نفی کرنا جو دین میں ثابت ہو"، بدعت کہلاتا ہے۔[5]

دین میں بدعت اختیار کرنا قرآن و سنت اور اجماع کی رُو سے حرام ہے، کیوں کہ ابتداع اور بدعت اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مقابلے میں ایک متوازی شریعت کی طرح ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی شریعت کا مقابلہ اور عدوات کرنا ہے۔اسی وجہ سے بدعت کی شدید الفاظ میں مذمت بیان کی گئی ہے اور امت کو اس کے شر اور برے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔[6]

رسول اکرم ﷺ نے امت مسلمہ کی ہر قسم کی اعتقادی و عملی امور میں راہنمائی فرمائی اور صحابہ کرامؓ نے اُن تمام تعلیمات پر عمل کر کے دکھایا۔ لہٰذا جو سنتِ نبویہ اور صحابہ کرامؓ کی تعلیمات سے ہٹ کر دین میں کوئی نئی بات نکالتا ہے یا انکار کرتا ہے وہ واضح گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پھر اس بدعت کی وجہ سے خود اور دوسروں کی گمراہی کا سبب بنتا ہے۔

اس کی سب سے بڑی مثال خوارج کا صحابہ کرامؓ کی "تحکیم کی مشروعیت" کا انکار تھا۔اس بدعت کی مخالفت میں ایک دوسری جماعت نے شدید موقف اپناتے ہوئے ایک نئی بدعت کو جنم دیا اور جماعت المسلمین سے الگ ہوئے اور "شیعہ" کہلائے۔اسی طرح "مرتکب کبیرہ کے کافر ہونے" کے خارجی بدعت کے مقابلے میں معتزلہ نے "منزلۃ بین المنزلتین" کی نئی بدعت نکال لی۔

بدعت صرف قدیم ہی نہیں بلکہ جدید فرقِ اسلامیہ کے وجود کا بھی سبب ہے، کیونکہ جب کوئی بدعت اختیار کرتا ہے اپنی رائے کو حق جانتے ہوئے اس کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے تو ایک فرقہ وجود میں آتا ہے اور اس بدعت کے رد میں ایک دوسری جماعت پیدا ہو جاتی ہے، یوں مختلف فرقے وجود میں آجاتے ہیں اور تفرقہ و انتشار پیدا ہوتا ہے۔

خواہشاتِ نفسانی / ھوی النفس کی اتباع:

خواہشاتِ نفسانی کی اتباع یا ھوی النفس انتہائی قبیح فعل ہے جس کی متعدد مقامات پر قرآن کریم نے مذمت بیان کی ہے اور واضح کیا ہے کہ یہ عمل انسان کے عقیدہ، اخلاق و سلوک اور اقوال و اعمال پر بہت بُرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو اتباعِ ھوی سے منع فرمایا کہ یہ گمراہی کی طرف لے جاتا ہے:

''يَادَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ''[7]

''اے داود! ہم نے تمہیں زمین مِن خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تم لوگوں کے درمیان برحق فیصلے کرو، اور نفسانی خواہش کے پیچھے نہ چلو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔''

اتباعِ نفس کی تباہ کاریوں کی وجہ سے ہی رسول اکرم ﷺ نے نہ صرف اپنی امت کو اس سے ڈرایا بلکہ اس میں امت کے پڑ جانے کے خوف کا بھی اظہار فرمایا:

''إن مما أخشى عليكم بعدي بطونكم وفروجكم ومضلات الأهواء''[8]

''میرے بعد جن چیزوں میں تمہارے مبتلا ہونے کا مجھے خوف ہے، اُن میں تمہارے پیٹ، تمہاری شرم گاہیں اور خواہشات کی گمراہی ہے۔''

اتباع نفس یا خواہشِ نفسانی کی اتباع اتنی ضرر رساں چیز ہے کہ جس کام میں بھی یہ شامل ہو، اس کو خراب کر دیتی ہے۔ اگر "علم" کے ساتھ مل جائے تو اس عالم کو بدعت و ضلالت کی طرف لے جاتی ہے، اگر "زہد" کے ساتھ مل جائے تو زاہد کو ریاء کاری اور سنت کی مخالفت میں مبتلا کر دیتی ہے۔

نفسانی خواہش کی اتباع تفرقہ و اختلاف کا سبب یوں بنتا ہے کہ جب انسان اپنی خواہشات کا اسیر ہو جاتا ہے تو جو دلیل بھی اس کی رائے کی مخالف ہوتی ہے اس میں تأویلات کرنے لگتا ہے، اور ضعیف شبہات و اعتراضات بھی اگر اس کی رائے کے موافق ہوں تو ان کو درست سمجھتے ہوئے اس کی پیروی کرتا ہے۔اس طرح مسلکِ حق اور راہ اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے۔[9]

اتباع ھوی کی وجہ سے انسان متشابھات کی پیروی کرنے لگتا ہے تاکہ اس کو کسی طرح غلبہ حاصل ہو اور اپنی مخالفت کا عذر ظاہر کر سکے، جس کالازمی نتیجہ خواہشات کے باہمی اختلاف کی وجہ سے تفرقہ وتقاطع اور بغض وعداوت کی صورت میں نکلتا ہے۔[10]

خواہشاتِ نفسانی کی اتباع کرنے والوں نے صدرِ اسلام میں مسلمانوں میں فتنوں کا بیج بویا جو سیدنا عثمانؓ کی شہادت کی صورت میں سامنے آیا۔ بلکہ امتِ مسلمہ میں اس کی وجہ سے بغض وعداوت اور فتنہ ومخالفت کو اتنا پھیلایا گیا کہ وہ فرقہ بھی ظاہر ہوا جو سیدنا علی، سیدنا معاویہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف کفر کی نسبت کرنے لگا۔

قدیم وجدید فرقہ بندی کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو فرقے بھی صحابہ کرامؓ اور اجماعِ امت کے مسلک سے الگ ہوئے، ان کے طرزِ عمل میں یہ عنصر نمایاں رہا ہے۔

شہرت وریاست کی محبت:

شہرت وریاست کی محبت یا حب جاہ ومال ہر دور میں اختلاف، تنازع اور فرقہ بندی کا سبب بنتا ہے، کیونکہ جب انسان اس میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کی آنکھوں پر گمراہی کے ایسے پردے چھا جاتے ہیں جس کے بعد وہ حق کو دیکھنے سے قاصر ہو جاتا ہے، بلکہ اس کے لیے حق وباطل کے معیار ہی بدل جاتے ہیں اور جہاں بھی اس کی حبِ جاہ کی تکمیل ہو وہی اسے درست اور ٹھیک نظر آتا ہے اگرچہ وہ سراسر باطل ہی کیوں نہ ہو۔

پھر نہ صرف خود اس کی پیروی میں لگ جاتا ہے، بلکہ لوگوں کو ہر جگہ ہر وقت اس باطل کی طرف بلاتا ہے تاکہ اس کے پیروکاروں میں اضافہ ہوتا رہے اور یوں اس کی خواہش کی تکمیل ہوتی رہے، خواہ اس میں معاشرے کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو۔

نمرود کی سیدنا ابراھیمؑ، فرعون کی سیدنا موسیٰؑ اور مشرکین مکہ کی رسول اکرم ﷺ کی مخالفت کرنے کی ایک بنیادی وجہ حب جاہ ومال ہی تھی کہ اگر ان انبیاء کرامؑ کی پیروی کریں گے تو اُن کی سلطنت، حکومت، شہرت ومال کا خاتمہ ہو جائے گا۔

چوں کہ حبِ جاہ ومال اور شہرت وریاست کی محبت کی تکمیل تب تک نہیں ہو سکتی جب تک لوگوں میں الگ مقام نہ پیدا کرلے، اس کے ماننے والے اور پیروی کرنے والا کوئی نہ ہو، اس لیے وہ بدعات ونئے نئے نظریات پھیلانے کی اور شبھات کو ہوا دینے کی خوب کوشش کرتے ہے جس کا منطقی انجام ہمیشہ فرقہ بندی اور اختلاف کی صورت میں ہی نکلتا ہے۔

جمہور امتِ مسلمہ سے الگ ہونے والے فرقوں میں اس سبب کی پختگی اور گہرائی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ نہ صرف شہرت وریاست کی محبت نے ان کو جمہور امت سے الگ کیا بلکہ خود وہ فرقہ بھی اس سے نہ بچ سکا اور مزید کئی کئی فرقوں میں بٹ گیا اور ان میں سے ہر فرقہ اس شخص کے نام سے موسوم ہوا جنھوں نے کوئی نیا قول وعمل ایجاد کیا تھا اور یوں اس ایک فرقے نے بیسیوں فرقوں کو جنم دیا۔

خوارج، معتزلہ، شیعہ، مجسمہ غرض ہر فرقہ میں حب جاہ کی وجہ سے نئے ناموں کے ساتھ نئے فرقے وجود میں آئے۔ جیسے "ازارقہ" خوارج میں "نافع بن ازرق" کے پیروکاروں کو، "واصلیہ" معتزلہ میں "واصل بن عطاء" کے پیروکاروں کو، "السبئیۃ" غالی شیعہ میں "عبد اللہ بن سبأ" کے پیروکاروں کو کہا جاتا ہے۔[11]

سیاسی رجحانات:

فرقہ بندی کے اسباب میں "سیاسی رجحانات" کا مطلب وہ سیاسی نظریات ہیں جو اعتقادات کی شکل اختیار کر کے الگ فرقہ کے وجود کا سبب بنے۔ اس کو مسئلہ "خلافت یا امامت" بھی کہا جاتا ہے۔

یوں کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ گذشتہ اسباب کی وجہ سے مختلف فرقے وجود میں آئے، جب "سیاسی رجحانات" اُن فرقوں کے ظہور کا سبب بنے۔ اس سبب کا شمار فرقہ بندی کے بنیادی اسباب میں ہوتا ہے۔ صدرِ اسلام میں خلافت کے بارے میں سیاسی اختلاف پیدا ہوا اگر اس

وقت صحابہ کرامؓ نے اس پر قابو پایا اور اس اختلاف کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔ پھر اُن کے بعد خلافت کے بارے میں اختلاف شدید اور متنوع ہو گیا: خلافت کا حقدار کون ہو گا؟ تمام قریش حقدار ہیں یا صرف آل علیؓ؟ مسلمانوں میں سے کوئی بھی خلیفہ بن سکتا ہے؟ اس طرح مسلمان خوارج، شیعہ اور دیگر فرقوں میں بٹ گئے۔[12]

مسئلہ "امامت" میں خاص رائے رکھنے والے گروہوں نے نہ صرف اس کی وجہ سے الگ فرقے بنائے بلکہ سیاسی رجحان کا یہ اختلاف، ایک فکری وعقائدی اختلاف میں تبدیل کر دیا گیا کہ نااہل خلیفہ و امام بننے والے کا کیا حکم ہو گا؟ جو لوگ نااہل امام و خلیفہ کی پیروی کرتے ہیں، اُن کا کیا حکم ہو گا؟ اس کے جواب میں خوارج نے اپنے علاوہ تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا، جس کے لیے انہوں نے "ایمان" کی نئی تشریح و تعبیر کو ایجاد کیا، اور "ایمان" کی اس تعریف کے رد میں دوسرا فرقہ "مرجئہ" ظاہر ہوا۔ بقول مناظر احسن گیلانی:

> ”پس واقعہ تو یہی ہے کہ تھے تو یہ سارے اختلاف سیاسی ہی اختلافات، اور کچھ مختلف نظریات رکھنے والی سیاسی پارٹیاں ہی تھیں۔ لیکن زمانہ اور ماحول کے خاص حالات نے ان اختلافات میں مذہب کا رنگ اس لئے بھر دیا کہ ہر ایک اپنے نظریہ کی تائید میں عقلی و تجربی دلائل کے ساتھ کچھ نہ کچھ شرعی شہادتوں کے پیشِ نظر کرنے کا بھی اپنے زمانہ کے مذاق کے مطابق عادی تھا“[13]

قومی وقبائلی عصبیت:

جزیرۂ عرب میں بعثت نبوی ﷺ سے پہلے مختلف قبائل آباد تھے۔ ہر قبیلہ اپنی صفات پر فخر کرتا، جس کا اظہار اس وقت کے نشریاتی وسائل کے ذریعے کیا جاتا، جو عموماً شعر و ادب کی شکل میں ہوتا۔ یہ قبائلی تفاخر و تعاصب اس وقت تک پورا شمار نہ ہوتا جب تک وہ اپنے مخالف قبیلہ کی مذمت و عیب جوئی نہ کر لیتے۔ تفاخر و تعاصب کے اس روش کی وجہ سے عرب قبائل میں سالہا سال تک جنگوں کا سلسلہ جاری رہتا۔ جب جزیرۂ عرب میں نبوت کی روشنی پھوٹی تو دیگر غلط رسم ورواج کے ساتھ ساتھ اس قبائلی تفاخر و تعاصب کو بھی ختم کرنے کے لیے تعلیمات بھیجی گئی۔ قرآن کریم نے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ قبیلوں، قوموں اور زبان کا الگ ہونا محض انتظامی نوعیت کا امر ہے تاکہ باہمی جان پہچان ہو سکے، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت و شرف کا معیار تو صرف تقویٰ ہی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے جاہلی عصبیت کی شدید الفاظ میں مذمت بیان فرمائی اور اس سے روکا:

> ”ليس فينا من دعى إلى عصبية وليس منا من قاتل على عصبية وليس منا من مات على عصبية“[14]
>
> ”جو عصبیت (قومیت) کی طرف بلائے وہ ہم میں سے نہیں، اور جو عصبیت کے لیے قتال کرے وہ ہم میں سے نہیں، اور جو دل میں عصبیت پر مرے وہ ہم میں سے نہیں“

نورِ نبوت کی برکت سے صحابہ کرامؓ کے دلوں سے یہ بیماری ختم ہوئی۔ مگر جب فتوحات کا دور شروع ہوا اور دنیا بھر کی مختلف اقوام میں اسلام پھیلا تو بعض لوگوں کے دلوں میں اسلام کی روشنی کے بسبب قبائلی تفاخر و تعاصب جاتا رہا، البتہ کچھ مسلمانوں کے دلوں میں ضعیف ایمان کی وجہ سے اس کے اثرات باقی رہے اور اسلام لانے کے بعد بھی اپنے آباء واجداد کے آثار پر کے ساتھ قلبی لگاؤ برقرار رکھا۔

اس لیے فرقہ بندی کی شروعات ہی سے اس کا اثر ظاہر ہونے لگا، جو کافی عرصہ تک اُن فرقوں میں رہا۔ مسئلہ "امامت و خلافت" میں قبائلی و قومی تعصب کا اثر سب سے واضح نظر آیا۔ بعض فرقوں کی رائے یہ تھی کہ خلافت صرف آل علی کا حق ہے؟ بعض کے ہاں قریش میں صرف آل عبد المطلب اس کے حقدار ہیں؟ اور ایک جماعت اس حق کو تمام مسلمانوں میں عام سمجھتی رہی کہ قریش کے ساتھ خلافت خاص نہیں بلکہ غیر عرب بھی خلیفہ بن سکتے ہیں۔ اسی رائے کی وجہ سے بہت غیر عربی لوگ، خوارج کے ساتھ ملے، کیوں کہ انہیں خوارج کا عرب و عجم کو اس سیاسی مسئلہ میں برابری پسند آئی۔ اس طرح خوارج وشیعہ فرقوں کے ظہور پر یہ سبب کافی حد تک اثر انداز ہوا۔

صرف یہی نہیں بلکہ قومی و قبائلی عصبیت دیگر فرق کے ظہور میں بھی کار فرمارہا اور بیشتر فرق کے بانی عجمی اقوام کے غیر عرب لوگ بنے۔ جیسے "الجعد بن درھم" (جو اصل میں خراسان کا رہنے والا تھا) نے سب سے پہلے "خلق القرآن" کا باطل نظریہ پیش کیا اور "صفات اللہ" کے حوالے سے گمراہ کن باتیں کیں جس سے فرقہ "جھمیہ" بنا۔

تأویلِ فاسد:

قرآن کریم، احادیث رسول ﷺ اور دیگر نصوص شرعیہ کا ایسا معنی و مفہوم بیان کرنا جو قرآن کریم و سنتِ نبویہ کے قواعد کلیہ تأویل فاسد کہلاتا ہے۔

تأویل فاسد فرقوں کے ظہور کا ایک سبب ہے بلکہ ہر گمراہی اور بدعت کی بنیاد تأویل فاسد ہوتی ہے۔ تأویل فاسد کی اتباع ہمیشہ اجتماعیت سے تفرقہ کی طرف اور ہدایت سے گمراہی کی طرف لے جاتی ہے اور اسلام سے پہلے کی ادیان یہودیت و نصرانیت کی شکل مسخ کرنے میں کلیدی کردار تأویل فاسد ہی نے ادا کیا۔

بلاشبہ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کا ایسا مفہوم و معنی بیان کرنا جو اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی مراد نہ ہو واضح گمراہی ہے، جو فرقوں کے ظہور و وجود کا اہم سبب ہے۔ جیسے "شیعہ" نے اہلِ بیت کی محبت اور سیدنا علیؓ کی خلافت پر زیادہ حقدار ہونے کے لیے بہت سی قرآنی نصوص بلکہ احادیث مبارکہ کے معنی میں تأویل فاسد کی تاکہ ان کے دعوی کو کسی طرح کوئی دلیل مل سکے۔

فرقہ خوارج کی اساس و بنیاد بھی تأویل فاسد ہی ہے، مرتکب کبیرہ کو کافر قرار دینا اور تحکیم پر راضی ہونے والے صحابہ کرامؓ اور مسلمانوں کو کافر قرار دینا، تأویل فاسد ہی کی وجہ سے ممکن ہوا۔ مرجئہ، قدریہ، معتزلہ اور دیگر فرقوں کے عقائد اسی تأویل فاسد کے نتیجہ میں پیدا ہوئے اور ان فرقوں نے صحیح راستے کو چھوڑ کر تأویل فاسد ہی کو اپنا منہج بنائے رکھا۔

الغرض "تأویل فاسد" نے فرقوں کے وجود اور باہمی اختلافات کی کثرت و شدت میں بنیادی کردار ادا کیا اور اس کا صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ مخالف مذہب و فرقہ پر غلبہ پایا جائے اور اُن کے دلائل کو یہ کہہ کر رد کیا جاسکے کہ پیش کردہ آیت کریمہ یا حدیث شریف کا ظاہری معنی مراد نہیں۔[15]

فرقہ بندی کے خارجی اسباب:

صحابہ کرامؓ اور خلفاءِ راشدینؓ کی محنت و برکت سے اسلام کی روشنی جزیرہ عرب سے نکل کر دور دور تک پھیل گئی۔ مختلف شہروں میں متنوع معاشرتی و ثقافتی اقدار کی حامل اقوام دائرہٗ اسلام میں داخل ہوئیں، جن میں یہودی، نصرانی، مجوسی، صابیٔ ہر دہرم اور مذہب کے لوگ شامل تھے۔

مفتوحہ علاقوں میں بسنے والے لوگوں کی تین قسمیں تھیں:

1. وہ لوگ جنہوں نے اسلام کو دل و جان سے قبول کیا اور علمی یا عملی لحاظ سے اسلام سے مطمئن ہوئے۔
2. ایسے لوگ جن کو اپنے آباء و اجداد کا دین ہی پسند تھا، مگر صرف جزیہ سے بچنے اور دیگر مراعات کے حصول کے لیے ظاہری طور پر مسلمان ہوئے اور اپنے اصلی عقیدہ کو دل میں پوشیدہ رکھا۔
3. ایسے لوگ جنہوں نے اپنے پرانے دین پر رہنے کو ترجیح دی اور جزیہ دینا قبول کیا۔

تاریخ شاہد ہے کہ مؤخر الذکر دونوں اقسام نے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی بھی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ان مفتوحہ علاقوں میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ آنے والے مسلمان ان نئے اور متنوع ثقافتوں سے متأثر ہونے لگے اور یہ ایک نازک مرحلہ تھا اور بے

احتیاطی لوگوں کو افراط و تفریط میں مبتلا کرتی رہی جس پر صحابہ کرامؓ کو شدید تشویش ہوئی اس کا اندازہ سیدنا ابن عباسؓ کی اس روایت سے لگایا جا سکتا ہے:

''یا معشر المسلمین، کیف تسألون أهل الکتاب، وکتابکم الذي أنزل علی نبیه صلی الله علیه وسلم أحدث الأخبار بالله، تقرءونه لم یشب، وقد حدثکم الله أن أهل الکتاب بدلوا ما کتب الله وغیروا بأیدیهم الکتاب، فقالوا: هو من عند الله لیشتروا به ثمنا قلیلا، أفلا ینهاکم ما جاءکم من العلم عن مساءلتهم، ولا والله ما رأینا منهم رجلا قط یسألکم عن الذي أنزل علیکم''[16]

''اے مسلمانو! تم اہل کتاب سے کیسے پوچھتے ہو؟! حالانکہ تمہاری کتاب – جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر اتاری – تازہ ترین کتاب ہے تم اس کتاب کو اس طور پر پڑھ رہے ہو جس میں بیرونی آمیزش نہیں ہوئی اور خالص حال میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ بتادیا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی دی ہوئی کتاب کو تبدیل کیا اور اس میں اپنے ہاتھوں سے ردوبدل کر ڈالا یہاں تک کہ کہنے لگے جو اُن کے پاس ہے وہی اللہ کی طرف سے ہے، یہ سب انہوں نے محض چند پیسے کمانے کے لیے کیا۔ کیا تم لوگوں کے پاس اللہ کی طرف سے جتنا علم پہنچا وہ کافی نہیں کہ تمہیں اہل کتاب سے پوچھنے کی ضرورت محسوس ہوئی! اور اللہ کی قسم ہم نے کسی اہل کتاب کو تم سے تمہارے قرآن کے بارے میں پوچھتے ہوئے نہیں دیکھا''

مناظر احسن گیلانی اس سبب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''دوسری بڑی اہم بنیاد جس سے مسلمانوں میں مختلف فرقے اسلام کی ابتدائی صدیوں ہی میں پیدا ہو گئے تھے اس کا تعلق جہاں تک میرا خیال ہے زیادہ تر اسی مسئلہ سے تھا کہ غیر مذاہب کے لوگ شروع شروع میں اسلام میں داخل ہوئے۔ ان میں ایسے بھی تھے جو اپنے آبائی دین کے بعض زہریلے جراثیم کو اپنے اندر سے نکالنے میں جیسا کہ چاہیے کامیاب نہ ہو سکے۔ بجائے تطہیر و تزکیہ کے ان لوگوں نے یہ چاہا کہ اپنے پُرانے خیالات کے مطابق قرآنی آیات کو کر لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ بالکل قلبِ موضوع تھا، قولِ فیصل تو قرآن تھا لیکن ان کو اندازہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، مگر کیا انہوں نے یہی کہ قرآن ہی کو تابع بنالیا اور جن عقائد و خیالات کے ماحول میں موروثی طور پر ان کی پرورش ہوئی تھی ان ہی کو اصل کی حیثیت سے استعمال کرتے رہے۔''[17]

یہودیت، نصرانیت، مجوسیت اور دیگر ادیان مسلمانوں میں فرقہ بندی پر براہ راست اثر انداز ہوئے اور جمہور امت سے الگ ہونے والے فرقوں نے اُن عقائد کو قبول کیا۔ جیسے رجعت، تناسخ اور حلول کا عقیدہ جو شیعہ کے "سبیئہ"، "جناحیہ" اور دیگر فرقوں میں موجود تھا۔ اسی طرح خوارج کے ایک ذیلی فرقہ میں بھی تناسخ کا عقیدہ اور مجوس سے لیے گئے "نکاح المحارم" کا عقیدہ موجود رہا۔ فرقہ قدریہ نے مسئلہ "تقدیر" نصرانیت سے، اور "خلقِ شر" کا عقیدہ مجوسیت سے اخذ کیا۔ "مجسمہ" نے یہودیت اور بدھ مت سے متأثر ہو کر اللہ تعالیٰ کے لیے جسم و اعضاء ثابت کیے۔[18]

معلوم ہوا کہ اسلام میں فرقہ بندی پر داخلی اسباب کے ساتھ ساتھ، خارجی اسباب بھی اثر انداز ہوئے اور فرقوں کی تعلیمات و عقائد پر ان اسباب نے اپنی واضح چھاپ چھوڑی۔

خلاصہ:

بین المسالک ہم آہنگی کے فروغ کی کوششوں کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ ان مسالک کے ظہور کے اسباب پر بحث کی جائے اور مکالمہ میں اس کو مدنظر رکھا جائے۔ اگرچہ مقالہ میں مذکور کلامی فرق میں سے بیشتر متروک ہو چکے ہیں یا اپنے اصلی حالت پر نہیں رہے، مگر عصرِ

حاضر میں مغرب کے علاوہ پاک وہند کے مفکرین میں بھی معتزلی فکر ایک بار پر تیزی سے فروغ پا رہا ہے۔ دوسری طرف "خوارج" کے مخصوص عقائد کا سہارا لے کر مخصوص مسلح گروپ مسلمانوں کے قتلِ عام کا جواز پیش کر رہا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان قدیم فرق کو نئے لباس میں ظاہر ہونے سے روکا جائے، تاکہ امتِ مسلمہ مزید تفریق اور فرقہ بندی سے بچ سکے۔ جو تب ہی ممکن ہے کہ ہم ان فرقِ کلامیہ کے ظہور کے اسباب کو طلباء اور مفکرین کے سامنے زیرِ بحث لائیں تاکہ ان فرق کے منفی پروپیگنڈے کا رد کیا جاسکے۔

حواشی و حوالہ جات:

[1] ناصر بن عبد الکریم العقل، ڈاکٹر، دراسات فی الاھواء والفرق والبدع، دار اشبیلیا، ریاض، ط ۱، ۱۹۹۷ء، ص ۳۲۲۔

[2] ابوزید بن محمد مکی، ڈاکٹر، مادۃ مقالات الفرق، دار الخراز، جدہ، ط ۱، ۲۰۰۸ء، ص ۱۷۔

[3] سورۃ النساء: آیت ۱۷۱۔

[4] حاکم، مستدرکِ حاکم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط ۱، ۱۹۹۰ء، رقم: ۱۷۱۱۔ امام حاکمؒ نے اس حدیث کو "علی شرط الشیخین" قرار دیا ہے اور امام ذھبی نے اس کی موافقت کی ہے۔

[5] محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی، ایثار الحق علی الخلق فی رد الخلافات الی المذھب الحق من اصول التوحید، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۰۳ھ، ص ۸۴۔

[6] ابو بکر الجزائری، حرمۃ الابتداع فی الدین وکل بدعۃ ضلالۃ، احیاء التراث، کویت، ۱۴۰۷ھ، ص ۸۔

[7] سورۃ ص: آیت ۲۶۔

[8] ابو بکر، ابن ابی عاصم، السنۃ، المکتب الاسلامی، بیروت، ط ۱، ۱۴۰۰ھ، ج ۱، ص ۱۲، رقم: ۱۴۔

[9] الشاطبی، ابراہیم بن موسی، الاعتصام، دار ابن الجوزی، ط ۱، ۲۰۰۸ء، ج ۱، ص ۲۴۷۔

[10] الشاطبی، ابراہیم بن موسی، الموفقات فی اصول الشریعۃ، دار ابن عفان، سعودی عرب، ط ۱، ۱۹۹۷ء، ج ۵، ص ۲۲۱۔

[11] حمود بن غزای الحربی، ڈاکٹر، مقالہ: آثار الافتراق علی الامۃ، المؤتمر العلمی: العمل الاسلامی بین الاتفاق و الافتراق، جامعۃ الخرطوم، ۲۰۰۴ء، ص ۲۴-۲۵۔

[12] محمد ابو زھرۃ، تاریخ المذاھب الاسلامیۃ، دار الفکر العربی، قاھرہ، ن ط ت، ص ۱۳۔

[13] مناظر احسن گیلانی، مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ، ادارۂ اسلامیات، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص ۳۴۔

[14] ابو داود السجستانی، السنن، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، ص ۳۳۲، رقم: ۵۱۲۱۔

[15] محمد سید الجلیند، الامام ابن تیمیہ وموقفہ من قضیۃ التأویل، الھیئۃ لشؤون المطابع الامیریہ، ۱۳۹۳ھ، ص ۱۱۔

[16] البخاری، الصحیح، باب لا یسأل عن اہل الشرک الشھادۃ وغیرھا، دار طوق النجاۃ، بیروت، ط ۱، ۲۰۰۲ء، رقم: ۲۶۸۵۔

[17] مناظر احسن گیلانی، مسلمانوں میں فرقہ بندیوں کا افسانہ، ص ۶۱-۶۲۔

[18] شبلی نعمانی، علم الکلام اور الکلام، دوست ایسوسیٹس، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۲۱-۲۴۔